

قضا کے احکام پر ڈی این اے ٹیسٹ کے اثرات

مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی

موجودہ دور میں جدید سائنسی معلومات اور اکتشافات نے علم و تحقیق کے نئے دروازے کھولے اور بہت سارے معاملات و مسائل میں انسان کی پریشانیاں دور ہوئیں، قرآن، قیادہ شناسوں کی مدد اور قیاس کی مدد سے جن حقائق تک پہلے پہنچنے کی کوشش کی جاتی تھیں، سائنسی تحقیقات کے نتیجے میں واضح اور صحیح معلومات سامنے آنے لگیں اور انسان کے لئے ممکن ہو گیا کہ وہ ان تحقیقات سے فائدہ اٹھا کر بہت سارے مسائل حل کر سکے۔

انہیں تحقیقات میں سے ایک اس مادہ کی جانچ ہے جو موروثی خصائل کو اپنے اندر سموئے ہوتا ہے، یہ مادہ کیمیادی اعتبار سے ڈی این اے (Deoxy Ribonuclec Acid) کہلاتا ہے، موروثی خصائل کے حامل اس مادہ کے جانچ کے نتائج بہت سارے معاملات میں فیصلہ کن ہو سکتے ہیں۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیانا نے اس موضوع پر اہل علم کو سوانامہ ارسال کیا جس میں اس موضوع پر پہلا سوال یہ تھا کہ اگر ایک بچہ کے سلسلے میں کئی شخص دعویٰ دہار ہوں کہ یہ میرا لڑکا ہے تو سائنس دانوں کے خیال کے مطابق بچہ اور ان کے دعویٰ داروں کا ڈی این اے ٹیسٹ کر کے یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ حقیقی معنوں میں اس کے والدین کون ہیں، ایسے اختلاف کو حل کرنے کے لئے کیا ڈی این اے ٹیسٹ کرایا جاسکتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں ہمیشہ تر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ جس بچے کا نسب فراش، یا مینڈکی بنیاد پر ثابت نہ ہو، اس کے حق میں اس ٹیسٹ کا اعتبار ثبوت نسب کے لئے کیا جائے گا ان حضرات نے جو دلائل دیئے ہیں، ان کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ ثبوت نسب میں قرینہ اور قیادہ تک کا اعتبار کیا گیا ہے جیسا کہ صحیحین میں حضرت اسامہؓ اور زیدؓ کے سلسلے میں قائف کے جملہ ان ہذہ الاقدام بعضہا من بعض، (صحیح بخاری ۱۲/۵۶، صحیح مسلم ۲/۱۰۸۲) پر حضور ﷺ کا اظہار مسرت منقول ہے، ڈی این اے ٹیسٹ کی حیثیت اپنے نتائج اور علم کے اعتبار سے قیادہ سے زیادہ واضح، صحیح اور یقینی ہے۔

۲۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب کوئی مسلمان زمانہ جاہلیت کی اولاد کے بارے میں دعویٰ کرتا تو قیادہ شناس کو طلب کرتے اور اس کے قول پر صحابہ کرام کی موجودگی میں فیصلہ فرماتے۔

آدم ہرچہ درازد از پیش قداق دارد ☆ تخم مرغ دزد، شتر دزدی شود

۳۔ اس ٹیٹ سے یقین کی بصیرت حاصل ہوتی ہے۔

۴۔ ڈی این اے ٹیٹ ایک مضبوط قرینہ ہے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے: القضا بالقرائن اصل من اصول الشرع (الفقہ الاسلامی وادلتہ، ۶/۶۳۴)

اس موضوع پر منعقد فقہی سمینار مکتہ المکرمہ کی جو رپورٹ شائع ہوئی ہے، اس سے بھی ڈی این اے ٹیٹ سے ثبوت نسب کا پتہ چلتا ہے:

”ان يدعى اكثر من شخص نسب ولد مجهول النسب او اللقبط حيث يمكن الاستفادة من البصمة الوراثية لاثبات نسبة لاحدهم بل ان ما تشبه حجة مقبولة ملزمة اذا توافرت الشروط المطلوبة لذلك“

بعض حضرات نے ڈی این اے ٹیٹ کے معتبر ہونے کے لئے کچھ شرائط کا بھی ذکر کیا ہے، مولانا اختر امام عادل نے لکھا ہے: اس ٹیٹ میں ان شرائط کا لحاظ ضروری ہے جن کا تذکرہ فقہاء نے قیافہ کے تحت کیا ہے، ڈاکٹر ظفر الاسلام کی رائے ہے کہ صرف ایک ڈی این اے پر اعتماد نہ کیا جائے بلکہ کئی لوگ جو ماہر اور کہنہ مشق ہوں الگ الگ یہ ٹیٹ کریں۔ ثناء الہدیٰ قاسمی نے لکھا ہے: جس طرح دیگر مسائل شرعیہ میں طیب حاذق اور مسلم عادل کی رائے کا اعتبار ہوتا ہے، اسی طرح جانچ کا نتیجہ ایک ہوتے ثبوت نسب کا فیصلہ کیا جائے گا، مولانا نعیم اختر قاسمی نے لکھا ہے کہ ٹیٹ میں بینہ کے شرائط کا خیال رکھا گیا ہوتے معتبر ہوگا۔

مفتی محبوب علی وجیہی نے تحریر کیا ہے کہ امام شافعیؒ کے یہاں ڈی این اے ٹیٹ معتبر ہوگا کیونکہ وہ قیافہ کے ذریعہ ثبوت نسب کے قائل ہیں، امام اعظمؒ چونکہ قیافہ سے ثبوت نسب کے قائل نہیں، اس لئے ان کے نزدیک ڈی این اے ٹیٹ معتبر نہیں ہوگا، تنہا مولانا برہان الدین سنہلی نے اسے لغو کام قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس ٹیٹ سے نسب ثابت نہیں ہوگا، چونکہ نسب کا شریعت میں اصول مقرر ہے: ”الولد للفرش وللعاهر الحجر“۔

اس سلسلہ کا دوسرا سوال یہ تھا کہ آج کل قاتل کی شناخت کے لئے بھی ڈی این اے ٹیٹ کرایا جاتا ہے، اگر جائے قتل کے پاس قاتل کی کوئی چیز مل جائے جیسے بال، یا خون وغیرہ تو اس کے ٹیٹ سے قاتل کی شناخت کی جاتی ہے، لیکن یہ تکنیک ابھی اس درجہ کمال کو نہیں پہنچی ہے کہ معلوم ہو سکے کہ جو

ان اخاک من و اساک ۱۶ دوست آن باشند کہ گیر دوست دوست در پریشان حالی دور ماندگی

فارنسک نمونہ (Forensic Sample) جائے واردات سے اٹھایا گیا تھا، وہ اسی ملزم کا ہے، کیا ایسی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ کی بنیاد پر کسی کو قاتل قرار دینا درست ہوگا؟

اس سوال کے جواب میں مقالہ نگار حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ ڈی این اے ٹیسٹ حدود و قصاص کے لئے مفید نہیں ہے، اس لئے کہ حدود و قصاص شبہات سے سابقہ ہوجاتے ہیں:

ادراوا الحدود بالشبهات، ادراوا الحدود عن المسلمین ما

استطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان یخطی فی

العفو خیر من ان یخطی فی العقوبة۔ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ۳۱۱/۲)

مولانا عبدالودود نے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

”فی سائر الحدود الاخری والقصاص اتفق الجمهور علی انها تثبت

برجلین لقوله تعالیٰ ”واستشهدوا شہیدین من رجالکم ولا تقبل

شهادة النساء ولا مع رجل ولا مفردات (الفقه الاسلامی وادلتہ ۶/۵۷۱)

اس سلسلے میں انہوں نے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی اس عبارت کا بھی حوالہ دیا ہے:

ولا یحکم عند جمهور الفقهاء بالقرائن فی الحدود لانها تدرا

بالشبهات ولا فی القصاص الا فی القسامۃ للاحتیاط فی

موضوع الدماء وازھاف النفوس۔ (الفقه الاسلامی وادلتہ ۶/۶۲۵)

ڈاکٹر ظفر الاسلام نے ”الموسوۃ الفقہیہ“ کی یہ عبارت بھی نقل کی ہے:

و ایضافی اجماع فقہاء الامصار علی ان الحدود تدرا

بالشبهات کفاۃ ولذا قال بعض الفقہاء: هذا الحدیث متفق

علی العمل بہ و ایضا تلفتہ الامۃ بالقبول۔ (۱۵/۲۳)

مولانا محمد برہان الدین سنہلی نے لکھا ہے کہ بینہ کے بغیر سزا نہیں دی جاسکتی، یہی رائے مفتی

عبدالرحیم قاسمی اور قاضی عبدالجلیل قاسمی کی بھی ہے، سوال کے اس اہم جز پر کہ اس ٹیسٹ کی بنیاد پر کسی کو قاتل

قرار دینا درست ہوگا، علماء کی آراء مختلف ہیں۔ بیش تر حضرات نے لکھا ہے کہ قاتل قرار دینا درست نہیں ہوگا۔

مولانا اختر امام عادل نے لکھا ہے کہ: ایسے مقدمات جن میں حدود و قصاص نہیں ہے اس کو بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔

اس ٹیسٹ کے ذریعہ کسی کے خلاف فرد جرم عائد نہیں کی جاسکتی۔ ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ قاضی

انک لا تجنی من الشوک العنب ☆ ہرگز از شاخ بید بر غوری خرما نتوان خورد از این خار کہ لشتیم

ٹیٹ کی بنیاد پر متہم شخص سے اقرار کروانے کی کوشش کرے اور اقرار کے بعد اسے بنیاد بنا کر کارروائی کرے۔
 مولانا ابوسفیان مفتاحی نے لکھا ہے: قاتل قرار دینا درست ہوگا جبکہ ظن غالب ہو، دلیل میں
 انہوں نے دو حدیثیں (مشکوٰۃ، ۲/۲۰۶-۳۰۷) پیش کی ہیں جس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر
 مقتول ہستی کے آس پاس ملا ہو تو ہستی کے پچاس لوگوں سے قسم لی جائے گی اور اگر یہ مفید مطلب نہ ہو تو
 ڈی این اے ٹیٹ کی تکنیک اپنائی جائے گی کیونکہ شریعت اس سے انکار نہیں کرتی اور اس سے جرم کا
 سدباب بھی ہے۔ مولانا سلطان احمد اصلاحی نے لکھا ہے: اس سے شناخت جرم میں استفادہ کیا جاسکتا
 ہے، ثناء الہدیٰ قاسمی کی رائے ہے کہ یہ ٹیٹ نہ تو بینہ قاطعہ ہے اور نہ ثبوت نقل، اس لئے قاضی اس جانچ
 سے مدد لے سکتا ہے، تنہا اس کی بنیاد پر مجرم قرار دینا درست نہیں ہوگا، مولانا محی الدین غازی نے لکھا ہے
 کہ اس ٹیٹ کے ذریعہ گواہی کے نقص کو مکمل کیا جاسکتا ہے۔

سوالنامہ کا تیسرا سوال دوشق پر مشتمل تھا، جن میں ایک زنا کے ثبوت میں ڈی این اے ٹیٹ
 کی شرعی حیثیت پر تھا کہ اگر اس عورت کے جسم کے مادہ منویہ کا نمونہ حاصل کر لیا جائے تو زانی کی شناخت
 ڈی این اے ٹیٹ کے ذریعہ آسانی کی جاسکتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں تمام مقالہ نگار اس بات پر متفق ہیں کہ محض اسی ٹیٹ کی بنیاد پر حد
 جاری نہیں ہوگی، دلائل دوسرے سوال کے جواب میں گزر چکے ہیں، سب کا خلاصہ یہ ہے کہ حدود شہادت
 سے ساقط ہو جاتے ہیں، علی محی الدین القرہ داغی نے رابطہ عالم اسلامی کی فقہ اکیڈمی کی اس تجویز کا حوالہ دیا
 ہے جس میں کہا گیا ہے: حدود و قصاص میں اس ٹیٹ کا اعتبار نہیں ہے۔ مولانا اختر امام عادل نے لکھا ہے
 کہ ٹیٹ سے زنا ثابت ہو جائے تو حد زنا سے فروتر کچھ دوسری تعزیرات کا فیصلہ کیا جاسکتا ہے۔
 بیش تر مقالہ نگاروں نے لکھا ہے کہ یہ ٹیٹ ثبوت زنا کے لئے معتبر نہیں ہے۔

ڈاکٹر ظفر الاسلام نے ثبوت زنا میں ڈی این اے کو معتبر مانا ہے جبکہ شہادت، اقرار اور قرآن
 مفقود ہوں، اور اگر شہادت کا نصاب پورا نہ ہو تو اس ٹیٹ سے تلافی کی جاسکتی ہے۔

”بیت الزنا امور ثلثہ: بالشہادۃ والاقرار والقرائن..... فالقرینۃ

المعتبرۃ فی الزنا ہی ظهور الحمل فی امرأۃ غیر متزوجۃ اولاً

یعرف لها الزوج“ (الموسوعۃ الفقہیہ، ۲۴/۱۳۷-۱۳۹)

ٹیٹ کے ذریعہ گواہی کی تکمیل کی بات مولانا محی الدین غازی نے بھی تحریر کیا ہے۔

از مکافات عمل غافل مشو ☆☆☆ گندم از گندم بروید جو جو

مولانا ابوسفیان مفتاحی نے لکھا ہے کہ آج جب کہ زنا کی شہادت نہیں ملتی اور نہ ہی کوئی اقرار کرتا ہے، لہذا اس جدید تکنیک کو زنا کے سدباب کیلئے شرعی ثبوت تسلیم کر لیا جائے، مولانا شوکت ثنا قاسمی، مولانا اسرار الحق سیبلی ثبوت زنا کیلئے اسے معتبر مانتے ہیں۔ اس سوال کا دوسرا اجزا اجتماعی آبروریزی میں ڈی این اے ٹیسٹ کے اعتبار سے متعلق ہے، چونکہ ایسی صورت میں ڈی این اے ٹیسٹ بذات خود کمزور مانا جاتا ہے، اس لئے پیش تر مقالہ نگاروں نے اسے لغو اور ناقابل اعتبار قرار دیا ہے، مولانا محی الدین غازی نے لکھا ہے کہ اجتماعی آبروریزی کی صورت میں اس ٹیسٹ کی حیثیت ایک قرینہ کی ہوگی، جس سے تحقیق و تفتیش کے عمل میں مدد ملی جاسکے گی، مولانا سلطان احمد اصلاحی نے بھی اسے ایک قرینہ کے طور پر تسلیم کیا ہے اور لکھا ہے کہ احتمال کے نقض کو ثبوت جرم کے دیگر قرائن کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

اس موضوع کے چوتھے اور آخری سوال میں دریافت کیا گیا تھا کہ قاضی اس ٹیسٹ کیلئے ملزم کو مجبور کر سکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلے میں دو قسم کی آراء مذکور ہیں، پہلی یہ کہ مجبور کیا جاسکتا ہے، کیونکہ یہ ٹیسٹ قانونی مراحل کی تکمیل کیلئے ضروری ہے۔ ثناء الہدیٰ قاسمی نے لکھا ہے کہ ٹیسٹ کیلئے جبر تو کر سکتا ہے لیکن قاضی صرف اس ٹیسٹ کی بنیاد پر جن جرائم میں حدود و قصاص ہیں، فیصلہ نہیں کر سکتا، ان تمام مقالہ نگاروں کی رائے ہے کہ مقدمہ کی تحقیق میں قاضی کو وسیع اختیارات حاصل ہیں، لہذا وہ مجبور کر سکتا ہے مولانا اسرار الحق سیبلی نے ڈاکٹر محمد عبدالرحمن کی کتاب ”السلطۃ القضائیہ“ (ص ۱۳۳) کی یہ عبارت نقل کی ہے:

”وهكذا نجد ان الفقه الاسلامی اعطی سلطات كثيرة واسعة

للقاضی فی تیسیرہ للخصوصة“۔

دوسری رائے یہ ہے کہ قاضی ملزم کو اس ٹیسٹ کے لئے مجبور نہیں کر سکتا، کیونکہ قاضی کے فیصلہ

کی اصل بنیاد شرعی شہادت ہے۔

مفتی محبوب علی وجہی نے لکھا ہے کہ فہمائش کے بعد اگر راضی کر لیا جاسکتا ہے تو ٹھیک ہے، یہ اقرار کی شکل ہوگی، لیکن جبر واکراہ کی اجازت نہیں ہوگی، مولانا نعیم اختر قاسمی نے لکھا ہے: تعزیرات کے پیش نظر مجبور کیا جاسکتا ہے لیکن حدود کے باب میں کسی ملزم کو مجبور کرنا صحیح نہیں ہے، مولانا ابوسفیان مفتاحی کی رائے ہے کہ قاضی کے فیصلہ پر حاکم مجبور کر سکتا ہے، مولانا عبدالودود نے لکھا ہے کہ یہ ٹیسٹ قرینہ قاطعہ کے حکم میں نہیں ہے، لہذا عام حالت میں درست نہیں ہوگا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔



☆ ان مع العسر يسرا باہر تخی آسانی است ☆